بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقالہ

برائے تیسرا سالانہ تربیت الفضلاء کا علمی وفکری اجلاس

موضوع

اجلاس سے فائدہ کیسے اٹھائیں؟

مقالہ نگار

مفتی محمد ابوبکر جابر قاسمی

ناظم ادارۂ کہف الایمان بورابنڈہ حیدرآباد

تاریخ انعقاد: ۶-۷-۸ / شوال المکرم ۱۴۴۵ھ

مطابق: ۱۶-۱۷-۱۸ / اپریل ۲۰۲۴ء

بروز منگل، بدھ، جمعرات

بمقام: خانقاہ جمالیہ، انکے پلی، معین آباد، تلنگانہ

نَحمَدُہ وَنُصلِّی علیٰ رَسُولِہِ الکَرِیمِ اَمَّابعدُ!

الحمد للہ آج ہم تربیت الفضلاء کے تیسرے اجلاس کے لیے جمع ہوئے ہیں، رب کریم کا فضل اور اکابر اصاغر اور معاصر احباب کی کاوشوں کے بعد ملک بھر سے آج ہم جمع ہیں، کورونائی وبا کے اختتام پر پُر امید بنانے اور ہمت وحوصلے جمع کرنے کے لیے پہلے سال ۲۰۲۲ء میں چار سو علماء کرام کو اطراف واکناف کے ضلع اور صوبے سے ادارے کی چھوٹی عمارت میں جمع کیا گیا تھا، اجلاس صرف ایک دن کا تھا، اور مکاتب، دار القضاء، مسلم عصری تعلیمی ادارے، اور غیر سودی بینک کے قیام پر محاضرات رہے، گزشتہ سال ۲۰۲۳ء میں ہمارے شیخ ومربی حضرت مولانا شاہ جمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی خانقاہ جمالیہ (معین آباد) میں اڑیسہ سے مدراس تک کے سات سو علماء کرام ڈھائی دن کے لیے جمع ہوئے، تعلیم، تبلیغ، تزکیہ اور رفاہی کاموں سے متعلق محاضرات پیش کیے گئے، پورا مواد آن لائن موجود ہے، اس مرتبہ بفضلہٖ تعالی بنگال، بہار، یوپی، مدھیہ پردیش، گجرات، کرناٹک اور تمل ناڈو کا شخصی سفر کرکے آپ حضرات کو دعوت دی گئی، تمام متکلمین ومحاضرین سے تقریباً ملاقات کرکے متعلقہ موضوع کی مکمل تحریری تیاری قبل از وقت کرلینے کی درخواست کی گئی؛ تاکہ تمام مضامین دیرپا اور دور رس رہیں، کسی قسم کی سطحیت یا سرسری پن ان میں در نہ آئے۔

فکری اعتکاف کی نیت

سب سے پہلے علمی وفکری اعتکاف کی نیت کیجیے، جب قادیانیت کا فتنہ شروع ہوا تو حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری رحمہ اللہ نے حضرت علی میاں ندوی رحمہ اللہ کو تصنیفی اعتکاف کا حکم دیا کہ فوراً یکسو ہوکر قادیانیت کا تحریراً تحلیل وتجزیہ کریں، ہمارے جسم تو الحمد للہ آچکے ہیں، اگر ذہن وفکر بھی مکمل انقطاع و اعتکاف اختیار کرلیں تو یہ اجلاس ہمارے حق میں فرداً فرداً بہت مفید ہوسکتا ہے، ہونا تو یہ چاہیے کہ ہم تڑپ کر ملک وعالم کے مختلف علاقوں کا سفر کرکے، ہونے والے انقلابی کاموں کا مشاہدہ کرکے، مختلف موضوعات سوچ کر، رب کریم سے مراشدِ امور کی بھیک مانگنے میں لگ جائیں، اس زمانے کے لیے واقعۃً کوئی امام اعظم چاہیے تھا، مجدد الف ثانی چاہیے تھا؛ لیکن خدا نے ہمیں پیدا کردیا، ان کی قدرت وحکمت کا مظہر ہے، مشکل پرچے کو طالب علم حل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو استاذ دیکھ کر خوش بھی ہوتا ہے رعایت بھی کرتا ہے، اسی لیے دور فتن میں اخلاص کا دسواں حصہ بھی (حدیث کے مطابق) نجات دلا دیتا ہے، کم محنت پر جلدی نصرت اترتی ہے۔

ہم فکری اعتکاف کرکے اصحابِ کہف کی طرح ہمت وعزم کے ساتھ مشرکانہ نظام کا مقابلہ بھی کریں گے اور اللہ تعالی سے رشد بھی مانگیں گے، تیس کروڑ تو بہت ہیں، آپ پانچ سو ہزار تو بہت ہیں، ایک حضرت

یوسف علیہ السلام نے پورے ملک کو بدلا، سات اصحابِ کہف کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے پوری قدرت بتلائی، ایک عبداللہ بن تامر کے ذریعے اصحابِ اخدود کا جاں نثار مجمع تیار ہوگیا، **رجل ذو همة يفتح الامة.**

مہربانی فرما کر فون کے بے مقصد یا کم اہم استعمال سے بچیں، آنے والے مختلف علماء کرام سے اختلاط کریں، ہر لمحہ کو قیمتی بنائیں، بنائے گئے لائحہ عمل میں بھرپور مستفیدانہ شرکت کریں، یہ علمی سوغات اپنے اپنے علاقوں تک پہنچانا ہے، نمائندگی کا حق ادا کرنا ہے، یہ مجلس قیمتی ہے، ہر متکلم اپنے سالہا سال کے مطالعاتی و تجرباتی نچوڑ کو سنائے گا، لکھیے، مذاکرہ کیجیے، عزائم کیجیے، لائحہ عمل بنا کر اٹھیے۔

تخصصات کا انتخاب

اپنے اکابر سے عدمِ ارتباط، علاقائی تقاضوں سے ناواقفیت اور ناپختہ عمری کی وجہ سے ہر شخص صرف مفتی لقب کا لاحقہ حاصل کرنے کے لیے مفتی بن جائے تو سودمند نہیں ہوگا، تمام ابواب فقہیہ پر تمرین اور جدید سیاسی، سماجی مسائل پر محنت کے ساتھ ہو تو تقاضۂ وقت پورا ہوگا، ختمِ نبوت کا کورس پڑھ کر درسِ عقائد، ردِالحاد اور ردِ مغرب جیسے عناوین کو جوڑ کر میدانی کام ہونا چاہیے، اسکول کالج کو مخاطب بنانا چاہیے، اگر اکابر کی کتابوں کو عربی زبان میں منتقل کرنے اور عربی مصادر پر عبور حاصل کر کے علمی اور تحقیقی کاموں کے عزائم ہوں تو تخصص فی الادب معاون بن سکتا ہے، مخطوطہ کتب حدیث یا غیر محقق کتب حدیث کا ذہنی خاکہ ہو تو تخصص فی الحدیث کی طرف قدم بڑھائے جائیں، اور اہل مدارس کو بھی چاہیے کہ ان طلبہ کو غیر تدریسی ذریعۂ معاش فراہم کریں؛ ورنہ کتنے ہی بجھ چکے ہیں۔

آپ سب کو کچھ زیادہ احساس ہے کہ آج کل قابل فہم سادی زبان میں اخلاقیات اور انسانیت کے موضوعات پر عصری مدارس میں بات کرنے والے چاہئیں، کتبِ عالمیت کی تدریس سے پہلے کتبِ عالمیت کے قابل بننے والے طلبۂ مکاتب و طالباتِ مکاتب کا دل جیتنے والے چاہئیں، ضرور وکیل بنیں؛ لیکن قوم کی خدمت کے جذبے سے سرشار ہو کر، حکومتی قوانین پر گہری نظر رکھ کر باشندگانِ وطن کی رہبری کرنے والے، قضا پڑھ کر فیصلے کرنے کے ساتھ اقدامی طور پر عوامی رہبری کا کام بھی سیکھا جائے، سب جانتے ہیں کہ ائمہ و خطباء کی خدمات کو مؤثر بنانے والے اسباب و محرکات سب کو سکھائے جانے کی ضرورت ہے، مقامی زبانوں میں اسلامی لٹریچر نہ ہونے کے برابر ہے، لسانِ قوم میں اسلامی ترجمانی کے شعبے میں مشترکہ جرم ہوا ہے، ہر فارغ مکتب کی خدمت کو یا مطلوبہ کسی بھی ترجیحی کام کو ہلکا نہ سمجھ رہا ہو، نامانوس نہ ہو، کم از کم سیکھ کر کرنے کا جذبہ ہو، پیامِ انسانیت (غیر مسلموں میں دعوتی کام) رفاہی کام اور سیاسی مساعی کو باقاعدہ کورس بنا کر متخصص کو تیار کرنے کی ضرورت پورا عالم محسوس کر رہا ہے، کاش اس غیر روایتی اہم دینی کام کی طرف توجہ ہو جاتی۔

عالمی اور عمومی تبلیغی جماعت میں ضرور جانا چاہیے؛ لیکن عالمانہ مزاج ہو عامیانہ نہیں، وحدتِ امت کی تقویت کا ذریعہ ہو، کسی دھڑے کی مدافعت اور دعوت میں شدت کا سبب نہ بن جائے، کوئی بات بے سند نہ نکلے، کوئی قول کسی شعبۂ دین یا کسی مذہبی شخصیت کو مجروح نہ کرے، اپنے کام کا غلبہ رکھتے ہوئے فکرا دوسرے کاموں کا صدقِ دل سے معاون ہو، ہر مناسب تعمیری تنقید کو قبول کیا جائے، اپنے خول کی جکڑ بندیوں سے بالا تر ہو کر تزکیائی، تعلیمی اور سیاسی تجربات سے بھرپور استفادہ کیا جاتا ہو تو ایک سال دو سال جماعت میں جانا ایمانی تربیت کا زبردست عدیم المثال نظام ہے۔

علماء کرام اور تجارت

التراتیب الادار یۃ میں علامہ کتانی رحمہ اللہ نے صحابہ کرام کی مختلف میدانوں میں تجارت کے باب کو بہت واضح کیا، قاضی اطہر مبارک پوری رحمہ اللہ کی کتاب ہر طبقہ ہر پیشہ میں علم و علماء بازار میں عموماً دستیاب ہے، اس میں بھی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت سے پہلے تجارت کی، تجارت کوئی معیوب چیز نہیں ہے اگر شرعی اصول کی رعایت کی جارہی ہو، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تجارت نے انہیں تجدیدی کام سے نہیں روکا؛ لیکن چند پہلوؤں پر غور کیا جائے:

☆ انسان کا جو مشغلہ ہو وہی ذریعۂ معاش بھی ہو تو زیادہ بہتر ہے، اگر دینی مشغلہ یا دینی خدمت ہی ذریعۂ معاش نہ ہو تو ذہنی یکسوئی باقی نہیں رہتی۔

☆ فارغ ہوتے ہی دینی خدمات کے میدان میں اترے بغیر بہت جلد قلت تنخواہ یا کسی وجہ سے تجارت کے میدان میں کودنا پست ہمتی ہے، اتنا جلدی اصول زندگی سے مفاہمت نہیں کرنا چاہیے، سامانِ دنیا بیچنے والوں سے زیادہ اصول و عقائد اسلام سکھلانے والوں کی ضرورت ہے۔

☆ دنیا اور دین جمع ہونے کے بعد دنیا ہی غالب آجاتی ہے، دودھ اور نجاست جمع ہوجانے کے بعد نجاست غالب آجاتی ہے، نتیجہ ارذل کے تابع ہوتا ہے، بقول حضرت مفتی شفیع رحمہ اللہ ہمارے مزاج ان حلوائی اور قدوری کی طرح پختہ نہیں ہیں، اکثر کے فرائض بھی خطرے میں پڑ جاتے ہیں۔

☆ اجرت لینے کو اخلاص کے خلاف نہ سمجھا جائے، ہم خلفاء و اولیاء سے بڑے مخلص نہیں ہیں، استغناء کے نام پر عوام کے میدان سے علیحدگی کی راہ اختیار نہ کی جائے، عمل ظرف ہے، اخلاص و استقامت مظروف ہے، جب عمل (تدریس، خطابت اور امامت وغیرہ) ہی نہیں رہا تو اخلاص کا کیا کہنا! بقول حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ مبارک ہے وہ مال جو خدمت دین کے عوض ملے۔

☆ کپڑوں کی تجارت، مسجد کے ساتھ چھوٹی موٹی دکان اور ٹیلرنگ وغیرہ ایسے کام اور ہنر جو علمی وقار

کے منافی نہ ہوں کیے جاسکتے ہیں، تجارت کے ساتھ خدمتِ دین کی فہرست تیار کی جانی چاہیے، مثلاً گجراتی علماء کی طرح اپنے بھائی کے ساتھ شراکت، صبح شام کے مکاتب، آن لائن تدریس، افریقی ممالک کی طرح چند دن تجارت باقی ایام تبلیغ وتدریس، تجار کے لیے تربیتی اجتماعات وغیرہ کیے جاسکتے ہیں، بس کسی قیمت پر یہ علمی اشتغال یا دینی خدمت متروک نہ ہوجائے، رجال سازی اور عالم گری کا سلسلہ ختم نہ ہوجائے، شیر اہل دنیا کے ساتھ رہتے ہوئے بکری نہ بن جائے۔

☆احیاءعلوم الدین اور فضائل صدقات وغیرہ میں قناعت کے فضائل پڑھتے رہیں، حرص اور رسومات کی خندق کو کسی کی کمائی نے نہیں بھرا ہے، جو لوگ خدمت دین چھوڑ کر تجارت میں مکمل ڈوب گئے کیا ان کے تمام معاشی مسائل حل ہوگئے، وہ کب شکم سیر ہوکر خدمت دین کے لیے یکسو ہونے والے ہیں، معاشی فراخی حاصل کر کے انہوں نے کتنے علماء وخدام کی تنخواہ کی کفالت کر لی، تنخواہ کا معیار بڑھا دیا۔

☆ دنیا میں تین قسم کے لوگ ہیں: ۱) خرچ اور آمدنی برابر ہے، انہیں بھی دلی راحت نہیں مل رہی ہے۔ ۲) آمدنی زیادہ خرچ کم، یہی لوگ خدمت دین اور آخرت کے لیے فارغ ہوسکتے ہیں۔ ۳) آمدنی کم خرچ زیادہ، اکثریت اسی عذاب میں جی رہی ہے، دوسری قسم ہی ہمیشہ قوم وملک کے کام کے لیے تیار رہی۔

ابتداءِ عمر میں ہی نظامت

بیٹا بن کر باپ بننا چاہیے، ملازم بن کر مالک بننا چاہیے، مدرس بن کر ناظم بننا چاہیے، فراغت کے بعد بہت جلد نظامت اپنے کو اور امت کو آزمائش میں ڈالنا ہے، نورانی قاعدے سے بخاری تک کتنا پڑھایا، کتنے اکابر کی انتظامی زندگی کو دیکھا پڑھا، ابتدائی عملے کی قربانیوں سے واقف نہیں، طلبہ کس قربانی سے آتے ہیں پتہ نہیں، شفقت سے زیادہ اصول کی دھونس ادارے کو بکھیر دے گی۔

فارغ ہوتے ہی بنات کے مدرسے کی داغ بیل (بعض مرتبہ نکاح سے پہلے ہی اس طرح کی جرات کی جارہی ہے) سم قاتل ہے، ہمارے فاضل کو تباہ کردے گی، بڑوں کا اعتماد جیتیے، چھوٹوں کے محبوب بنیے، اجتماعی اور انفرادی اعمال کی نزاکتوں کو جانیے، پھر نظامت سنبھالیے، کام اور تعلقات خراب کرنے کے بعد سیکھنے سے زیادہ فائدہ نہیں ہوگا، بقیۃ السلف اکابر کی صحبت میں جائیے، قدر کرلیجیے، استفادہ کرلیجیے، پھر یہ بھی نہیں ملیں گے، تعلیمات، انتظامات اور مالیات کے جزئیات کو سیکھا ہی کہاں ہے، پڑھا ہی کہاں ہے، سوچ لیجیے، آخرت بن رہی ہے یا بگڑ رہی ہے، دنیا میری زندگی کی خواہش کر رہی ہے یا میری موت کی۔

پوری دنیا کو متفق کرنے کی فکر

دنیا تو اللہ عزوجل اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر متفق نہیں ہے، ہم پر کیا متفق ہوجائے گی، روزِ اول

استقبال نہیں ہوا کرتا، دارارقم میں چند ہی تھے، صفۂ نبوی میں ستر تھے، اخوان المسلمین کے حسن البناء رحمہ اللہ کی پہلی مجلس میں صرف گیارہ تھے، دارالعلوم دیوبند کے انار کے درخت کے نیچے صرف دو شخص، مولانا الیاس کاندھلوی رحمہ اللہ کے ساتھ چند میواتی، ہر تنظیم ہر تحریک کا یہی حال رہا، نو فارغ علماء کرام مدرسے میں، جمعہ میں، مکتب میں اور درس تفسیر و حدیث میں روز اول ہی بڑی تعداد کے خواہش مند ہوتے ہیں، سنبھالنے کی استعداد بھی بتدریج ہی آتی ہے، ماں کو پہلے دن پانچ بچے دیے جائیں تو تحمل نہیں ہوتا؛ بلکہ جڑواں دو بچے بھی پیدا ہوجائیں تو لڑکیاں پریشان ہوجاتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ پروردگار ہماری صلاحیت کے مطابق ہی لوگوں کو متوجہ کرتا ہے، ساری دنیا یک لخت اسلام قبول کرلے تو کیا ہم ان کے مسائل حل کرسکتے ہیں، ان کی ستاری ہے کہ ہماری روحانیت سے زیادہ اثر دکھلا رہا ہے، استعداد بڑھتی رہے گی تو تعداد ملتی رہے گی، دفعۃً مقدار بڑھ جائے تو معیار بن نہیں پاتا ہے، دوسروں سے موازنہ کرکے اپنی ہمت پست مت کیجیے، ایک دکان کو ایک گلی میں اعتماد جیتنے کے لیے مہینوں لگ جاتے ہیں، ایک عالم دین کو ایک ادارے کو قوم کا بھروسہ جیتنے میں بھی کافی وقت لگتا ہے، پھر نظر قبولیت پر رکھیے، اخلاص پر رکھیے، تھوڑا بھی قبول ہوجائے تو بیڑا پار ہے، ظاہری شہرت تو بہت سے مفسروں مصنفوں کو بھی نہیں ملی، ان کی کتابیں چھپ نہ سکیں، یقین رکھیے کہ اللہ آپ کی ایک سانس ایک قدم کو بھی ضائع نہیں کرے گا۔

دینی خدمات میں تقسیم کار

ہر آدمی ہر کام نہیں کرسکتا، ہر جگہ ہر کام کی ضرورت نہیں ہوا کرتی، ایک ہی قسم کی دکان بازار میں زیادہ ہوجائے تو تحاسد تباغض کا ماحول بن جاتا ہے، ایک عمارت کی تعمیر میں ہر فن والا چاہیے، اگر لوہے کی دکانیں ہی کھلتی جائیں تو سامانِ تعمیر بھی مکمل نہیں ہوں گے اور عمارت بھی مکمل نہیں ہوگی، "جو فن آتا ہے اسی کی دکان کھولوں گا" سوچنے کے بجائے "جس فن کی ضرورت ہے اسے سیکھ کر معاشرے کے خلا کو پورا کروں گا" کی سوچ درست ہے، انسانیت کی بڑی خدمت ہوجائے گی۔

خلافتِ ظاہرہ تو ہے نہیں، کاش اہلِ علم اپنے اپنے علاقے کی مرکزی شخصیات یا مرکزی ادارے میں جمع ہوکر قدیم و جدید فارغین اور سماجی کارکنان جمع ہوکر مختلف کاموں کا بیڑا اٹھالیتے، اس طرح خلافت باطنی قائم ہوجاتی، اسلام کی تمام ضروریات کی تکمیل ہوجائے گی، مسلمانوں کی داخلی اصلاح کا کام تبلیغی جماعت اور مجلسِ اصلاح معاشرہ کے ذریعے، غیر مسلموں میں تعارفِ اسلام کا کام پیام انسانیت کے ذریعے، کچھ افراد سیاسی اور جمعیتی کاموں کے لیے فارغ ہوجائیں، بالغان، بالغات اور اطفال کے مکاتب کا کام اتنا بڑا ہے کہ

زندگیاں ناکافی ہیں، ختم نبوت کے تحفظ کے کام کی ضرورت بڑھتی جارہی ہے، کچھ فضلاء کو اچھی طرح سیکھ کر اسکول کالج قائم کرنے چاہییں، دارالقضاء کے قیام کی طرف کچھ نہ کچھ رجحان ہے؛ لیکن فیصلوں سے زیادہ مصالحتی تدابیر، رشتہ بگڑنے سے پہلے تربیتی اجتماع منعقد ہونے چاہییں، نوجوان طبقے میں تعلیمی اور کھیل کود کی مختلف سرگرمیاں رواج دینے کی ضرورت ہے، بری عادتیں چھڑانے والے اداروں کا قیام وقت کا بڑا تقاضہ ہے، جیل خانوں میں محروسین کی قانونی امداد اور ان کے اہلِ خانہ کی مالی امداد کرنے والی تنظیمیں نہ ہونے کے برابر ہیں، فساد زدہ علاقوں فوری باز آبادکاری کا منصوبہ رکھنے والے لوگ چاہییں، اسکول کالج کی اسمبلی میں اور عصری تعلیم کی اقامت گاہوں میں اخلاق وانسانیت پر بات کرنے والے باصلاحیت اور سلیقہ مند علمائے کرام چاہئیں، خلاصہ یہ ہے کہ میدان کے انتخاب میں خواہش کی تسکین نہیں تقاضۂ سماج کی تکمیل ہونی چاہیے۔

مرکزی تنظیموں کے تجربات کو آگے بڑھایئے

تعلیم، دعوت اور سیاست میں ہماری مرکزی تنظیموں نے ناقابل فراموش کارنامے انجام دیے ہیں، یہ ہمارے اکابر کے اخلاص کا ورثہ ہیں، ان کے تجربات سے استفادہ کرتے ہوئے بدلتے حالات کے تقاضوں کو پورا کیجیے، شراب پرانی ہی ہو جام بدل جائے، ان کی ناقدری یا تنقیص مت کیجیے، مخالفت اور شکایت کے بجائے باقی میدان یا بچے تقاضوں کو آپ پورا کیجیے، نبوت کا سلسلہ بند ہوگیا، تجدیدِ دین کا سلسلہ بند نہیں ہوا، کوئی تجربہ حرف آخر نہیں ہے، تحریکات کی تاریخ یہی ہے کہ قدامت یا عوام کا غلبہ رسمیت اور خرافات پیدا کردیتا ہے، اجتماعی عجب علمی وعملی قناعت پیدا کردیتا ہے، گویا خیر کا انحصار انہی میں ہے؟ ہمیں بہتر کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے؟ کسی بھی شخصیت کو کام کرنا ہو تو ہمارے تحت ہی کام کرنا ہوگا؟ ظاہر ہے یہ ہمارے مخلص اکابر کا طریقہ نہیں رہا، ان کی مطبوعہ سوانح عمریاں چیخ چیخ کر کہہ رہی ہیں کہ وہ بہت وسیع الظرف تھے، ہر کارخیر کے معاون تھے، ہر چھوٹے بڑے کے قدردان تھے، متہم اپنے آپ کو کرتے تھے دوسرے کو نہیں، اپنے فکر وعمل پر ہمیشہ نظر ثانی کیا کرتے، سنجیدہ علمی مناقشہ فراخ دلی کے ساتھ کیا کرتے تھے۔

بہر حال ہمیں تمام مثبت اور خیر کے کاموں کی قدر کرتے ہوئے اپنا میدان اور اپنے افراد کار خود بنانا چاہیے، کارکنوں کی دین اور خدمات دین کے جامع تصور کی ذہن سازی ہونی چاہیے، تقابل سے ہمیں مکمل اجتناب کرنا چاہیے، اپنی ترقی کے لیے دوسرے کا تنزل ضروری نہیں ہے، دوسرے کو گرائے بغیر بھی آپ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

حدودِ اختلاف سیکھیے

عقلمندوں میں اختلاف ہوتا ہے، منصوصات کو چھوڑیے، اجتہادیات اور ذوقیات میں اختلاف روزِ اول سے رہا ہے، اسے باقی رکھا گیا مخلصانہ اختلاف باادب ہوتا ہے، انظام اور اجتماعیت کو نقصان نہیں پہنچاتا ہے، ادب الخلاف پر کئی ایک الماریاں تیار ہیں، فقہ کی ہر کتاب میں اختلافات کی بھرمار ہے؛ لیکن غیبت اور فسادِ امت کا کوئی واقعہ بتادیجیے، ذاتیات پر کیچڑ اچھالنے کا کوئی قصہ بتادیجیے، اختلاف کے باوجود کاموں میں اشتراک ہمارے اکابر کا وطیرہ رہا، الاعتدال فی مراتب الرجال، اختلاف کے حدود وقیود کم از کم اسحاق ملتانی صاحب کی اکابر کے سنگین اختلاف کے باوجود باہمی محبت کے واقعات پڑھنا چاہیے، ایک ادارے کے فارغین ایک شیخ کے خلفاء میں مشترکہ مقاصد پر اتحاد ہونا چاہیے، اداروں اور تنظیموں سے علاحدگی کے وقت پتہ چلتا ہے کہ ہماری زبان اور دل کتنے پاک تھے۔

کیا یہ اختلاف مذموم ہے، کیا اختلاف کے بعد استفادہ، اعتراف اور اعتماد باقی نہیں رہ سکتا، اداروں کے دو دھڑے تنظیموں کے دو ٹکڑے الگ الگ میدان الگ الگ افراد کو نہیں لے سکتے ہیں، اس وقت کا بڑا تجدیدی کام تقریب بین المدارس والنظماء محسوس ہوتا ہے، امت کی صلاحیتیں بے مصرف جھونکی جارہی ہیں، طاغوت سے مقابلے کے لیے ہمارے پاس توانائی باقی نہیں رہی، داخلی خلفشار نے ہمیں خارجی میدان سے بے حس کردیا ہے، اپنے مقابل دھڑے کی سرگرمی ہمیں چوکنا کردیتی ہے؛ لیکن مخالف اسلام طاقتوں کا دندنانا ہمارے سروں پر جوں کو بھی رینگنے نہیں دیتا، فریقوں کے جنازے اٹھ گئے؛ لیکن خانہ جنگی کی آگ ٹھنڈی نہیں پڑی، ہر آدمی اپنے دامن میں جھانک کر دیکھ لے کہ وہ کم از کم کچھ پیچھے ہٹ کر کون سا غیر شرعی اختلاف کا فاصلہ کم کرسکتا ہے۔

دیگر مذاہب اور غیر مسلم طبقات میں کام

یہ میدان (کہا جاسکتا ہے کہ تقریبا) مکمل خالی ہے، مذاہب کا تعارف معلوم ہونا چاہیے، برادران وطن کو دعوت اسلام دیے بغیر ہماری حفاظت وعصمت نہیں ہے، اس ملک کے طویل برہمن وادی نظام کو اچھی طرح پڑھنا چاہیے، سیاسی کامیابی کے لیے بھی مظلوموں کا اتحاد ضروری ہے، لسانِ قوم اور مقامی زبان سیکھنے میں کافی کوتاہی رہی، میڈیا اور نفرت کے سوداگروں نے کافی فاصلے بڑھادیے، حضرت علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے پیام انسانیت کو عملی طور پر سیکھ کر کرنے کی ضرورت ہے، بلا تاخیر غیر تشہیری طور پر شرعی حدود میں دیگر مذاہب اور غیر مسلم طبقات کے ساتھ تعلقات استوار کیے جائیں، معلوم تو کریں کہ ان پر کیا ظلم ہورہا ہے، حقیقت میں اس وقت حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور انہی کے نام پر رکھے گئے حضرت مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی دامت برکاتہم کی فکر کی معنویت کو اچھی طرح سمجھیے، اور جلد از جلد عمل آوری کی

ضرورت ہے، بطور تجربہ ہی سہی اسے اپنائیے، سنت پر عمل کرنے کے ارادے ہی سے اپنائیے، رواجی خول سے نکلنا ہو، اللہ تعالی کا دین بانجھ نہیں رہا، واقعہ یہ ہے کہ اس پہلو پر کما حقہ توجہ نہیں دی گئی۔

آن لائن دینی خدمات

صحبت کا علم اصل ہے، اضطراری طور پر آن لائن خدمات کی جانی چاہئیں، پردیس میں مدارس اور علماء سے دور پڑے ہوئے لوگوں کے لیے آن لائن تدریس دینی حفاظت کا ذریعہ ہے، تدریس کے مواقع سے محروم علماء کرام اور حفاظ کرام لے لیے بھی اشاعتِ علم کا ایک اہم ذریعہ ہے، بنات اور خواتین کے لیے مختلف وجوہات سے اس لائن کا استعمال تمام احتیاطات کے ساتھ اچھا ہوسکتا ہے، خدامِ دین کے لیے جز وقتی جز معاشی ذریعۂ معاش بھی بن چکا ہے۔

لیکن لحاظ رہے کہ تقوی و دیانت کا دھیان رہے، معلومات کے سکھانے میں امانت داری کا خیال رہے، دعا اور انفرادی اعمال کی کثرت کے ذریعے فاصلہ اور صحبت کی کمی کی تلافی کی جائے، مضامین کا تکرار نہ ہو، ویڈیوز تیار کرتے ہوئے دینی ضرورت اور شرعی حدود سامنے رہیں، صرف تشہیر یا خودنمائی کا جذبہ غالب نہ ہو رہا ہو، زبان و بیان میں تحقیق اور وقار کا معیار گر نہ جائے، آن لائن خدمات انجام دیتے ہوئے آف لائن اور زمینی کام سے جی نہ چرایا جا رہا ہو، اہلیانِ محلہ اور مصلیانِ مسجد سے رابطہ رہے، آن لائن طلبہ اور والدین سے صرف وصولئ فیس کا نہیں؛ بلکہ ان کو مکمل دین پر لانے کی کوشش کی جائے، ان کا اعتماد علماء ربانی پر بڑھایا جائے، ان کا خاندان آپ سے مربوط ہوکر دینی زندگی پوچھ پوچھ کر گزارنے والا بن جائے، یہ طلبہ آپ کے سچے نمائندے اور جاں نثار بن جائیں، ظاہر ہے کہ اس کے لیے یہ کام بھی سرسری پن کے بجائے جی جان سے کرنا ہوگا، اور لوگ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیقِ عمل عطا فرمائے، آمین۔

قلتِ تنخواہ کا غم

سارے مجددین میں کس کے ساتھ مکمل اعزاز و اکرام کا معاملہ ہوا، قید و بند کی صعوبتیں کس نے نہیں جھیلیں، سرکار و دربار کا ظلم کس پر نہیں ہوا، کیا ہر بڑی تنخواہ والا بڑے کام کر رہا ہے، کیا ہمارے پست ہمت اور علماً و عملاً پس ماندہ ہونے کی وجہ صرف تنخواہ کی کمی ہے؟ کیا پیسہ محبت، وفا، چین اور سکون دلاسکتا ہے؟ مال دار کیوں خودکشی کرتے رہے ہیں؟ اجر پر نظر رکھنے والوں نے ہی بڑے انقلاب بپا کیے، اجرت پر نظر رکھنے والوں نے نہیں، شکایتی، احتجاجی مزاج نے اجرت کو تو نہیں بڑھایا، اجر تو بڑھوا لیجیے، خدا کی ذات بڑی غیرت مند ہے آپ کا احسان نہیں رکھ لے گی، حسی رزق (بنگلہ، گاڑی، زمین، جائداد، سونا چاندی) کو ہی رزق سمجھا جاتا ہے، معنوی رزق (تعلق مع اللہ، دلی سکون، وفادار بیوی، فرماں بردار اولاد، محبوبیت بین الخلق) کو رزق

کیوں نہیں سمجھا جاتا، جب کہ حسی رزق کا مقصود بھی معنوی رزق ہے، بھینس کی قیمت چارہ کھانے کی مقدار سے نہیں دودھ دینے کی مقدار سے طے ہوگی، تنخواہ کی مقدار سے آپ کا مقام طے نہیں ہوگا، آپ کی نافعیت و افادیت کے دائرے سے آپ کی حیثیت طے ہوگی، دنیا میں ہم اپنے سے کم کو اور دین میں اپنے سے زیادہ کو دیکھنا ہم نے چھوڑ دیا، تدین میں قناعت پیدا ہو چکی اور دنیا میں حرص، قناعت کے بغیر سعودی ملازمین، امریکی شہریت یافتہ، یا آئی ٹی ملازمین کو بھی سکون نہیں مل رہا ہے، کیا خدمتِ دین چھوڑتے ہی کثرتِ مال کا فیصلہ ہوجائے گا، دنیا اور آخرت تو سوکن ہیں، اگر اجر کو ترجیح دینا ہے تو پورے استغناء کے ساتھ چلتے رہیے، چندہ کا مال معیوب نہیں ہے، حقیر نہیں ہے، ہر اجتماعی کام چندے ہی سے ہوتا ہے۔

وزیر اعظم سے لے کر چپراسی تک کی تنخواہ عوامی ٹیکس سے ہی وصول ہوتی ہے، تقسیم رزق میں خدائی نظام برابر رکھنے کا ہے ہی نہیں:

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ.

(الشوریٰ:۲۷)

دولت وغربت امتحان کے پرچے ہیں نہ کہ عزت وذلت کے پیمانے، زکوۃ اوساخ اموال الناس ہے منفِق کے اعتبار سے نہ کہ منفَق علیہم کے اعتبار سے۔

نہیں اس کی پُرسش کہ یادِ اللہ کتنی ہے
یہی سب پوچھتے ہیں کہ آپ کی تنخواہ کتنی ہے

کمیٹیوں نے واقعۃً واجبی تنخواہ کو بھی نہیں بڑھایا، آپ اہلِ علم نظماء ہیں، آپ تو بڑھایئے، تعلیم اولاد، گھر اور علاج کے اخراجات کے بارے میں ملازم علماء کو بالکل بے فکر کر دیجیے، یہ کہنہ مشق مدرس ناظم کیوں بن رہا ہے، حقیقی ضروریات کے بارے میں ہم نامعقول تجاہل عارفانہ کیوں برت رہے ہیں، خطباء کی آؤ بھگت زیادہ ہو رہی ہے محقق مدرس کے مقابلے میں، کس مپرسی کے عالم کو دیکھ کر کیا لوگ اپنی اولاد کو عالم بنائیں گے؟ تعمیرات اور جلسوں پر مال بے تحاشا لگ سکتا ہے، متعلقین تعلیمات پر کیوں نہیں لگ سکتا ہے، قلتِ مال کا ذہنی اضطراب علم وتحقیق کے سوتے سکھا دیتا ہے، غیرت ووقار کو بھی کبھی ذبح کر دیتا ہے، اتنے متوکل اب کہاں ہیں، طبائع متحمل بھی نہیں ہیں، ہم انتہائی ذہین شخصیات کو کھو چکے ہیں اسی قلتِ تنخواہ کی وجہ سے، غیور انسان کو ہم نے ضائع کر دیا اسی بخل وکم ظرفی کی وجہ سے، ملازم کو اگر کم تنخواہ پر توکل کرنا چاہیے تو ناظم کو بھی خرچ کر کے توکل کرنا چاہیے، ایک معاون مخیر کا ضائع ہونا گوارا نہیں پچیس سالہ مدرس کا میدان چھوڑ دینا ہمیں گوارا ہے، قدیم مدرس ہوں گے تو ہی اقامتِ خلافت، مشیختِ تفسیر وحدیث کے خواب دیکھ سکتے ہیں؛ ورنہ ہمیشہ نوخیز

مدرسین ہی نظر آئیں گے۔

تنظیم ابناء قدیم وبنات قدیمات

پانچ سال، دس سال، بعض مرتبہ حفظ سے افتاء تک پندرہ سال تک تقریباً ضروریات زندگی میں کفالت کی جاتی ہے، علمی وعملی تربیت کی جاتی ہے؛ لیکن فراغت کے کام کو یکسر نظر انداز کیا جاتا ہے، میدان کی رہبری نہ مستقل رابطہ، ناظرہ حفظ سے فراغت تک ہر سال بجٹ جھونک دیا جاتا ہے؛ لیکن ان تازہ فارغین کے لیے امداد کا خیال بھی نہیں آتا، مالی امداد نہ سہی؛ کم از کم وقتاً فوقتاً رہبری تو کی جانی چاہیے، ناموافق حالات یا امراض میں تسلی کے دو بول تو بول دیے جائیں، مادر علمی کی مالی امداد کے لیے ربط کرنا غلط نہیں؛ لیکن بدلتے حالات میں ان فضلاء کی ہمت بخش غیر رسمی طور پر رہبری تو کی جانی چاہیے، عددی نمائش یا تشہیری مہم کے بجائے خالص علمی اور کھلے ماحول میں تبادلہ خیال کی مجالس منعقد ہونی چاہیے، زمینی کام کرنے والے متفکر علماء سے مختلف میدانوں کی طرف انہیں چلایا جائے، ایک ادارے کے ہی فارغین ہوتے ہیں؛ لیکن ایک دوسرے کے متنوع اور مؤثر کاموں کی خبر نہیں ہوتی، ادارے کی کمائی بلند وبالا عمارتیں نہیں؛ اس کے فضلاء ہیں، ہر آدمی اپنے کمال کی حفاظت کرتا ہے، اُبھرتے فضلاء کو اعلیٰ تعلیم کے مواقع فراہم کیے جائیں، تصنیف اور تنظیم وغیرہ میں انہیں آگے بڑھایا جائے، ان کے سوچے گئے تنظیمی وادارتی منصوبوں کو جان کر پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں دامے، درمے، قدمے اور سخنے تعاون پیش کیا جائے، بعض نے تجارت کا رخ کرلیا، بعض کو جسمانی اعذار لاحق ہوگئے، کچھ تو علاقائی مسائل کی وجہ سے بکھر چکے ہیں، ایسے بھی ہیں جنہیں مالی وجاہی مسائل کی فراوانی مل چکی ہے، بس ان کے ابتدائی شناسا مربی اساتذہ انہیں کام کرنے کے مواقع کی طرف رہبری کریں۔

قدیم مشائخ وعلماء کرام اپنے شاگردوں کے احوال سے بخوبی واقف ہوتے، ان کی دلی وابستگی اتنی ہوتی کہ استاذ محترم نے جس علاقے میں بھیج دیا اسی علاقے میں اپنی قبر بنالی، تفویض کیے گئے کام اور علاقے کو چھوڑنے سے شرم کرتے تھے کہ استاذ جی کو قیامت کے دن کیسے منہ دکھاؤں گا، اساتذہ نے شاگرد کی بیوی کے انتقال کے بعد اپنی بیٹی سے بے تکلف نکاح کروادیا، خدمت دین پر جمانے کی ہر ممکن کوشش سوچی جاتی۔

فارغ ہونے والی لڑکیوں کی توجہ تو اور بھی کم ہے، شوہر اور سسرال نے قدر کی یا اس فارغہ نے ذاتی کوشش سے مکتب مدرسہ چلالیا تو چلالیا؛ ورنہ زمانے کے دھارے کے حوالہ، بطور خاص ایسی فاضلات کے شوہر اور ساس سے روابط مستحکم کرکے انہیں بتلایا جائے کہ ایک عالمہ کو تیار کرنے میں کتنی تگ ودو لگتی ہے، امور خانہ داری میں پوری دل چسپی کے ساتھ اپنی بیوی یا بہو کو پڑھنے پڑھانے کے مواقع دیے جائیں، لیڈی

ڈاکٹر کو پریکٹس کروائی جاتی ہے، عالمہ کا استعمال کیوں نہیں کیا جاتا تفسیر، حدیث، اسلام پر اعتراضات کے جوابات کے موضوع پر گمراہ فرقوں نے عورتوں کا خوب استعمال کیا؛ لیکن ہم نے نہیں استعمال کیا، منظم مدارس (بنات) میں عورتوں کے کارنامے کے موضوع پر مفصل لکھا گیا، انہیں گھریلو رواجی مخاصمتوں کے حوالے ہونے نہ دیجیے، چھری بغیر استعمال کے کب تک تیز رہے گی، پانی نہ نکالنے پر چشمے بھی سوکھ جاتے ہیں، تاریخ اسلام میں تحریکی کام کرنے والی خواتین کی ایک لمبی فہرست ہے، اس کی تذکیر سے جذبات بنتے ہیں، حوصلے بلند ہوتے ہیں، بجھے ہوئے ارادے تروتازہ ہوجاتے ہیں۔

اساتذہ وعلماء کی گھریلو خواتین

ہمارے چھوٹے بڑے مدارس کے ساتھ فیملی کوارٹرس بنائے جاتے ہیں، کئی کئی خاندان وہاں بسے ہوئے ہیں، مرد حضرات سالہا سال صبح سے شام تک تدریس کا مشغلہ اختیار کیے ہوئے ہیں؛ لیکن ان عورتوں کا استعمال نہیں کیا جارہا ہے، بالعموم ان خواتین کے ساتھ والدین، ساس سسر، نند بھاوج، دیورانی جٹھانی، آنے جانے والے مہمان وغیرہ کوئی کام نہیں ہوتا، خدارا! ان کی صلاحیتوں کا استعمال کیجیے، فرصت تو فساد کا زمانہ ہے، فون کے زمانے میں کوئی خالی نہیں ہے، جو علم ان طلبہ کو پڑھایا جارہا ہے کیا اس علم کی ان خواتین کو ضرورت نہیں ہے، تاریخ اسلام میں خواتین اسلام نے تفسیر، حدیث، فقہ، قراءت، تصنیف وغیرہ میں بڑے بڑے جوہر دکھائے ہیں، اس ملک میں سات سو سال مسلم دورِ حکومت ہونے کے باوجود ہندی زبان (باوجودیکہ وہ سرکاری زبان نہیں تھی) اور ہندو مذہب کے رسومات ہندو عورتوں کی دل چسپی کی وجہ سے باقی ہیں، جاننے والے جانتے ہیں کہ گھریلو خواتین نے گھر کی عورتوں نے حکومات اور تحریکات کے بکھرنے اور آباد ہونے میں بڑا کردار ادا کیا، تزکیہ سے جوڑ کر مراحل سلوک مقام عبادت طے کروایا جاسکتا ہے، سالانہ جلسوں یا اکابر کی آمد پر انہیں مخاطب نہیں کیا جاتا، اگر وہ مجودہ، حافظہ، عالمہ ہے تو آف لائن آن لائن دروس قائم کیے جاسکتے ہیں، بالغات کے مکاتب آباد ہوسکتے ہیں، تعطیلات میں اطراف واکناف کے دورے مع خواتین ہوسکتے ہیں، ان کا جمود وتعطل بعض مرتبہ مردوں کے لیے حارج بن گیا، بے احتسابی اور دینی سرگرمیوں سے انتہائی لاتعلقی نے اخلاقی بیماریوں میں مبتلا کردیا، حصولِ معاش ہی ان کے اس پردیس میں قیام کا محرک بن گیا، ان کی اپنی اولاد کی تربیت مدرسے کے ماحول کے باہر رہنے والی عورتوں سے کچھ زیادہ بہتر نہیں ہے، دس بیس سال کے جامعہ کے قیام نے علم ودین کے کس جزیئے میں اضافہ کیا؟

اپنے خاندان کو نظر انداز نہ کیجیے

والدین، خاندان اور برادری کا احسان ہے کہ انھوں نے علم دین سے جوڑا، ہمت شکن دین سے

نامانوس زمانے میں علمائے کرام سے جوڑا، پوری دنیا کو چھوڑیے! کیا ہمارے خاندان میں بے نمازی اب بھی باقی ہیں؟ شرعی پردہ زندہ ہوگیا؟ کہیں قطع رحمی تو نہیں؟ شادی جنازہ کے رسم ورواج کے خاتمے کے لیے کم از کم خاندانی سطح پر کیا کوشش ہوئی؟ ہماری بیٹیوں کو میراث کا حصہ مل گیا؟ بن نکاح کوئی بیوہ باقی تو نہیں ہے؟ خاندان کا ہر فرد سودی نظام کے بارے میں باشعور ہوگیا یا نہیں؟ اپنے نوجوانوں کو دینی وعصری تعلیم میں حسب مشورہ حسب استعداد مختلف میدانوں میں اتارنے کے کیا منصوبے ہیں؟ جائزہ لیجیے! آپ کے والد والدہ یا بھائی بہن قرآن نماز جانتے ہیں؟ بروقت فرضیتِ حج کی یاددہانی ہوتی ہے یا نہیں؟ زکوۃ اور عشر کی تذکیر ہوتی ہے یا نہیں؟ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ. (الشعراء: ۲۱۴) کا مطلب اس کے سوا کیا ہے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر وکربلا میں اپنے خاندان کو آگے بڑھایا، انہیں دینی مشن کا حصہ بنایا۔

ہفتہ واری اجتماع، شادی بیاہ، طلاق ومیراث کے وقت ایک دل سوز خطاب کیا جاسکتا ہے، قریب النکاح لڑکیوں کے لیے شادی کورس کروایا جائے، ایک مثالی خاندان تعلیم وتجارت میں بڑے بڑے کام کرسکتا ہے، سوچنا چاہیے میرے خاندان کے بچے کہاں پڑھ رہے ہیں، ان کے مقدمات کہاں حل ہورہے ہیں، پورے عالم کا غم اچھی بات ہے؛ لیکن خاندان کو ہی نظرانداز نہ کردیں، کفالت عامہ کا نظام کم از کم اپنے خاندان کی سطح پر تو قائم کیجیے، قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ. (القصص: ۳۵) لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى. (الشوریٰ: ۲۳) انبیاء علیہم السلام نے خاندانی طاقت کو خوب استعمال کیا، بعض اکابر علی میاں ندوی عمر صاحب پالنپوری رحمہما اللہ وغیرہ اپنے علاقے اور خاندان کا مستقل اجتماع منعقد کیا کرتے، عالمی اور علمی مصروفیات کے باوجود انہوں نے اجتماعی طور پر حقیقی صلہ رحمی کا انتظام کرلیا تھا۔

جسمانی صحت کی حفاظت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جسمانی اعتبار سے بھی بے پناہ طاقتور تھے، مومن قوی بہتر ہے مومن ضعیف سے، یہ حقیقت ہے کہ طاقتور جسم ہی عادۃً طاقتور عزائم سوچ سکتا ہے، تمدنی ترقیات اور مشینی دور نے انسان کو سہولت پسند بنادیا، نئی نئی مہلک بیماریوں کی رفتار بڑھ چکی ہے، ہمارے اکابر صحت مند غذا، چہل قدمی اور جسمانی ریاضت کا اہتمام کیا کرتے تھے، نقل وحرکت کی کمی بہت سی بیماریوں کو جنم دیتی ہے۔

مدارس میں سرکاری ضوابط کی رعایت کے ساتھ مختلف کھیل اور ورزشیں ہونی چاہئیں، کراٹے وغیرہ کے لیے مستقل وقت دیا جانا چاہیے، غیر معتدل جسم اور بے ڈھنگی فربہی موٹاپے کو ہرگز سنت قرار نہیں دیا جاسکتا ہے، اختیاراً اسے اپنانا اور اس کی اصلاح کی طرف توجہ نہ دینا یقیناً کوئی بزرگی نہیں ہے، ضعیف الجسم شخص اجتماعی اور انفرادی اعمال صحیح طور پر انجام نہیں دے سکتا ہے، کسل اور جبن سے مسنون دعاؤں میں پناہ چاہی

گئی، طویل مطالعہ ممکن نہ تھا اگر اکابر کی جسمانی صحت ساتھ نہ دیتی، نوافل کی کثرت چھوڑیے! حرکت و جہاد اور قید و بند کے حوصلے ان کے اندر تبھی پیدا ہوئے جب انہوں نے جسمانی قوت پر بھی توجہ دی۔

اہلِ علم اور بطورِ خاص فضلاء کرام کو اس طرف بلا کسی جھجھک فوراً توجہ دینے کی ضرورت ہے، کم عمری میں اعذار و سستی کو دیکھ کر بے حد حیرت ہوتی ہے، نظام غذا اور شب و روز کے نظام العمل پر نظر ثانی کر کے از سر نو منصوبہ بنانے کی ضرورت ہے، خواتین کو بھی حدودِ شریعت کا لحاظ کرتے ہوئے اس جانب توجہ دینے کی ضرورت ہے، وما توفیقی الا باللہ۔